قانونِ اسلامی - اختصاصی مطالعہ ۴

اصولِ فقہ

سنت

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

قانونِ اسلامی - اختصاصی مطالعہ

اصولِ فقہ......۴

مصادرِ اصلیہ-۲

سنّت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

قانون اسلامی۔ اختصاصی مطالعہ

اصول فقہ۔۔۔۔۴

مصادرِ اصلیہ ۔۲

عنوان	:	سنت
مؤلف	:	ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
نظرثانی	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
ادارت	:	ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں
حتمی تصحیح	:	ڈاکٹر شہزاد اقبال شام
نگران منشورات	:	ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین
نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس	:	ڈاکٹر شہزاد اقبال شام
ناشر	:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
مطبع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی
سال طباعت	:	اول:۲۰۰۲ء دوم: جون ۲۰۰۵ء سوم: اگست ۲۰۱۱ء
تعداد	:	۱۰۰۰ ۲۵۰۰ ۱۰۰۰

ISBN 969-8263-15-2

فہرست

۱۔	پیش لفظ	۵
۲۔	تعارف	۷
۳۔	سنّت	۹
۴۔	روح انسانی کی ضرورتیں اور رسالت	۹
۵۔	سنّت کی تعریف	۱۱
۶۔	حدیث اور سنّت میں فرق	۱۴
۷۔	قولِ نبی اور فعلِ نبی میں فرق	۱۵
۸۔	افعالِ نبی کی اقسام	۱۶
۹۔	قرآن وسنّت میں باہمی تعلق	۱۷
۱۰۔	سنّت، مؤیدِ قرآن	۱۸
۱۱۔	سنّت، بیانِ قرآن	۱۸
۱۲۔	سنّت کی تشریعی حیثیت	۲۲
۱۳۔	سنّت کی استنادی حیثیت	۲۶
۱۴۔	اصولِ روایت ودرایت	۲۶
۱۵۔	معیاراتِ جرح وتعدیل	۲۷
۱۶۔	شرائطِ جرح وتعدیل	۲۹
۱۷۔	آدابِ جرح وتعدیل	۳۰
۱۸۔	اجتماع جرح وتعدیل	۳۱
۱۹۔	سنّت کی استنادی حیثیت کے معیارات	۳۲
۲۰۔	راویوں کے اوصاف کے لحاظ سے خبر کی اقسام	۳۳
۲۱۔	راویوں کی تعداد کے لحاظ سے خبر کی اقسام	۳۵
۲۲۔	سند کے تسلسل کے اعتبار سے خبر کی اقسام	۳۶
۲۳۔	اہم نکات	۳۸
۲۴۔	کتب برائے مزید مطالعہ	۴۰
۲۵۔	مصادر ومراجع	۴۱

پیش لفظ

کسی ریاست کا رائج قانون اس میں بسنے والوں کے اساسی نظریات وعقائد کا عکاس ہوتا ہے ورنہ قانون اور قوم میں اجنبیت کے باعث نہ تو قانون اس قوم میں قبولیتِ عام کی سند حاصل کرتا ہے اور نہ قوم اس قانون کے احترام اور پاسداری میں گرمجوشی کا مظاہرہ کرتی ہے، جس کا نتیجہ معاشرتی اشتات وانتشار اور بے چینی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر قانون اجنبی اور مسلط کردہ ہو تو اس پر عمل جبر کے تحت ہوتا ہے اور مجبور قومیں آزاد نہیں ہوتیں۔ اجنبی قانون تو وہ قومیں اپناتی ہیں جو خود کسی دستور اور نظمِ قانون سے تہی دامن ہوتی ہیں۔

مسلم امہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ دستور سازی اور قانون سازی پر اس کا علمی ورثہ بہت گراں قدر ہے۔ گزشتہ ۱۳ صدیوں سے مسلمان اہل علم کی تحریریں قانون اور اصولِ قانون پر دنیا بھر کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)، امام محمد شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) اور امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی کتابیں آج بھی روشنی کا منبع ہیں۔

امتِ مسلمہ کے قانونی اور دستوری نظام کے دو بنیادی عناصر ہیں جن کے بغیر اسلام کا قانونی نظام نہ تو اپنی صحیح شکل وصورت میں قائم رہتا ہے اور نہ ان سے فکری غذا حاصل کیے بغیر ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ پہلا بنیادی عنصر اسلامی عقائد ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان میں فکری استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یہ فکری استحکام ایمان ویقین کی وجہ سے اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ صاحبِ ایمان کو ہر قسم کی فکری بے راہ روی سے محفوظ کر کے حق وصداقت کی جانب گامزن رکھتا ہے۔ دوسرا بنیادی عنصر اخلاق وتزکیہ ہے۔ مکارمِ اخلاق کی تعلیم اور تزکیہ نفس انسان کے کردار، مزاج اور رویّہ کی اصلاح کر کے اسے معاشرہ میں تہذیب وشائستگی کے اعلیٰ مقام پر فائز رکھتے ہیں۔

امتِ مسلمہ جب تک اپنے فقہی اور قانونی ورثہ سے وابستہ رہی اس وقت تک اس کی ترقی کی رفتار بھی تیز رہی اور عالمی قیادت میں بھی اس کا نمایاں کردار رہا اور دنیا بھر کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے بہترین نمونہ بھی پیش کرتی رہی۔

لیکن جب مسلمانوں میں بنیادی عقائد کی تعلیم وتربیت کا نظام کمزور پڑ گیا اور اخلاقی اقدار میں ضعف پیدا ہوا تو اس کے اثرات مسلمانوں کی سیاسی، اجتماعی اور قانونی زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ پھر استعماری دور میں اسلامی روایات، نظامِ تعلیم، قانون اور تہذیب و تمدن کو مٹانے کے لیے منظم کوششیں کی گئیں جس کے نتیجے میں برصغیر میں ملک کے اسلامی عدالتی اور تعلیمی نظام کی جگہ استعمار کے اپنے نظام نے لے لی۔ اس صورت حال نے اس پورے خطہ کو بُری طرح متاثر کیا اور بتدریج ہر شعبہ زندگی میں شر وفساد سرایت کرتا چلا گیا جس کے تباہ کن اثرات سے آج ہم دوچار ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے برحق فرمایا تھا:

> نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ، وَ اِنِ ابْتَغَيْنَا الْعِزَّةَ بِغَيْرِهِ اَذَلَّنَا اللّٰهُ
>
> ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت بخشی اگر ہم نے عزت کو اسلام کے علاوہ کسی اور نظامِ حیات میں تلاش کیا تو اللہ ہم کو ذلیل کر دے گا۔

آج مسلمانوں میں موجودہ صورت حال کو تبدیل کرنے کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ غیر اقوام کے قانون سے

خود کو آزاد کرا کے قرآن و سنّت کے نظامِ حیات میں دوبارہ عزت تلاش کریں۔ اسی تڑپ کے وہ مظاہر ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں عالمِ اسلام اور عالمِ کفر کے مابین کشمکش کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔

امتِ مسلمہ کو ایسے رجالِ کار کی ضرورت ہے جن کی جدید قانونی نظریات پر تنقیدی نظر ہو اور جو فقہ اسلامی کے اصل مآخذ سے استفادہ کرنے کی دسترس رکھتے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا احکامِ شریعت کی اکملیت، حقانیت اور ان کے قابل عمل ہونے پر غیر متزلزل ایمان اور ان احکام کو روبہ عمل دیکھنے کی حقیقی تمنا اور لگن بھی ہو۔ ایسے رجالِ کار کی تیاری میں شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد بھی اپنے قیام کے روزِ اوّل سے مصروف عمل ہے۔ اس سلسلے میں بیرونِ ملک کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی قانون دان طبقوں کے تربیتی پروگراموں کا انعقاد مسلسل جاری ہے۔ اس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے شعبہ میں فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ''سلسلہ مباحث فقہیہ'' کی تیاری اور اردو اور انگریزی زبانوں میں تراجم کا کام بھی ہو رہا ہے۔ شریعہ اکیڈمی کے تحت مطالعہ اسلامی قانون پر ایک ابتدائی کورس کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس ایک سالہ فاصلاتی کورس کے ذریعے اندرون اور بیرون ملک ہزاروں افراد اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر چکے اور کر رہے ہیں۔

ہم نے اس ابتدائی کورس کے آغاز پر اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ''ایڈوانس کورسز'' تیار کیے جا رہے ہیں اور جلد ہی ان کو شروع کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمارے عزم کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشا، ہماری راہیں آسان فرمائیں اور ہم اس قابل ہوئے کہ اصول فقہ (Islamic Jurisprudence) میں اختصاصی مطالعہ (Advance Course) کا اجرا کر سکیں۔ فاصلاتی نظام کے تحت یہ اختصاصی مطالعہ چوبیس درسی اکائیوں (Units) پر مشتمل اور ایک سالہ دورانیہ کا ہے۔

اسلامی قانون میں دیگر اختصاصی مطالعہ جات کی تیاری کا کام جاری ہے۔ ہم بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اس نے جس طرح ہمیں اصولِ فقہ میں اس اختصاصی مطالعہ کو شروع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اسی طرح ہمارے دیگر منصوبوں کی تکمیل میں بھی فضل الٰہی شامل حال رہے گا۔ اِن شاء اللہ

پاکستان بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ پر قانون الٰہی کے غلبہ و قیادت کے لیے مطلوبہ رجالِ کار کی تیاری کسی ایک ادارے کا کام نہیں ہے بلکہ اس میں امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو اپنی حیثیت کے مطابق کردار ادا کرنا ہے۔

ہم اہلِ علم سے ایسی تجاویز کا خیر مقدم کریں گے جو ہمارے منصوبوں کی بہتری میں مدومعاون ہوں۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

ڈائریکٹر جنرل

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تعارف

فقہ اسلامی کے مصادر اصلیہ دو ہیں یعنی قرآن اور سنّت ۔ قرآن کریم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہم ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ سنّت کے بغیر قرآن کا سمجھنا ممکن نہیں اور سنّت قرآن کریم ہی کے احکام کی عملی شکل ہے۔

قرآن کریم کی ثقاہت تو یوں مسلّم ہے کہ اسے اللہ تعالی ہی نے نازل فرمایا اور اس کی حفاظت کا وعدہ بھی کیا لیکن سنّت کی ثقاہت کو "بحالہٖ" برقرار رکھنے اور اسے ہم تک اسی طرح قابلِ وثوق ذرائع سے پہنچانے کے لیے ائمہ حدیث نے جس طرح کوششیں اور محنتیں کی ہیں اس کی مثال ملنا ممکن نہیں ہے۔

سنّت کے معنی کیا ہیں، اس کا اصطلاحی اور قانونی مفہوم کیا ہے، اس کے مصداقات کیا ہیں، سنّت کے ہم تک پہنچنے کے ذرائع کیا ہیں اور وہ کس حد تک قابل اعتماد ہیں اور یہ کہ سنّت احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج میں قطعی دلالت رکھتی ہے یا ظنی، ان سوالوں کے جوابات اس درسی اکائی (Unit) میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنّت

روحِ انسانی کی ضرورتیں اور رسالت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم اور روح کا مجموعہ بنایا ہے۔ جسم اور روح کے باہم امتزاج کے بغیر انسان کا وجود مکمل نہیں ہوسکتا۔ پھر رب ذوالجلال نے جسم کی کچھ ضرورتیں، عادتیں اور تقاضے پیدا فرمائے اور روح کے لیے بھی کچھ ضروریات کی تخلیق فرمائی۔ رب ذوالجلال نے انسانی جسم کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرنے کے لیے زمین وآسمان اور اس میں پائی جانے والی تمام مخلوقات پیدا فرمائیں۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ سَخَّرَلَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ (الجاثیہ۴۵:۱۳)

زمین وآسمان میں جو کچھ ہے، وہ تمہارے ہی لیے تو پیدا کیا ہے۔

کائنات ارضی وسماوی کی انسان کے لیے تخلیق سے اللہ کی نظر میں انسانی جسم کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انسانی جسم کتنا عظیم ہے اس کا اندازہ ایک آیت کریمہ سے بھی ہوتا ہے جس میں حق تعالیٰ جل شانہ، ابلیس سے بازپُرس کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں:

مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَیَّ (ص۳۸:۷۵)

تجھے کس چیز نے اس مخلوق کو سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا ہے۔

کائنات کی ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے لیکن کسی مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے، یہ شرف صرف انسان کو حاصل ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خلق الله آدم على صورته (۱)

اللہ نے آدم کو اپنی صورت (عادت) پر پیدا فرمایا

ایک موقع پر انسانی جان کی عظمت وحرمت بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان ۲۲۹/۵

جَمِيْعًا وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدۃ ۵:۳۲)

جو شخص ناحق کسی کو قتل کرے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور

جو شخص کسی دوسرے شخص کو بچائے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا

روح کی عظمت جسم کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ ہے اللہ نے روح کو یہ نہیں فرمایا کہ اسے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا بلکہ فرمایا:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ (الحجر ۱۵:۲۹)

جب میں اسے مکمل بنا چکا تو اس میں اپنی روح پھونکی

''فاذا سویتہ'' سے جسم مراد ہے جسے اللہ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا لیکن روح کی عظمت بیان کرتے ہوئے اسے اپنی روح قرار دیا۔

جب یہ بات طے ہوگئی کہ روح کی عظمت واہمیت جسم کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ جسم کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی کائنات پیدا فرمائی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ روح کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی نظام وضع نہ کیا ہوگا۔ روح کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت اور نزولِ وحی کا سلسلہ شروع کیا جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کے نزول پر اپنے معراج وکمال کو پہنچا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر نبی نے اللہ تعالیٰ کی توحید والوہیت پر ایمان کی دعوت کے بعد اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف بلایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ (آل عمران ۳:۵۰)

پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔

انسان اگر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کا اتباع ہے۔ اس سنّت کی پیروی انسان کو اللہ کا محبوب بنا دینے والی اور اسی سنّت سے روگردانی اللہ کے عذاب اور اس کے مواخذہ کا مستحق بنانے والی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳:۳۱)

(اے نبی آپ ان سے) کہہ دیں اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّ بِيْلًا (المزمل ۷۳:۱۶)

فرعون نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی' اللہ نے سخت مواخذہ کیا۔

سنّت کی تعریف

لفظی مفہوم: عربی زبان کے مشہور ماہر لغت علامہ ابن منظورؒ نے سنّت کے جو معانی بیان کیے ہیں ان میں چہرہ اور شکل وصورت بھی شامل ہے۔ کسی بھی مخروطی یا کتابی چہرہ والے انسان کو مسنون الوجہ کہا جاتا ہے(۲)۔ دیگر علمائے لغت نے سنّت کا لفظی مفہوم طریقہ' نہج اور راستہ بھی بیان کیا ہے۔ سنّت لغت میں طریق زندگی کو کہتے ہیں خواہ اچھا ہو یا برا(۳)۔

قرآن مجید میں بھی لفظ سنّت' طریقہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا (الاحزاب۳۳:۶۲)

اللہ تعالیٰ کا یہی دستور وطریقہ ان لوگوں میں جاری رہا ہے جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے دستور میں کسی قسم کا ردّ و بدل نہ پائیں گے۔

لہٰذا انسان کا ایسا طریقہ جس سے اس کی زندگی کا منہاج متعین ہو' سنّت کہلاتا ہے۔ سنّت اس کی زندگی کا چہرہ ہوتا ہے جس سے اس کی صورت وشکل اور سیرت وکردار کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی مفہوم: سنّت دین کے اولین مآخذ ومصادر میں شمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء' اصولیین' محدثین اور سیرت نگاروں نے سنّت پر مختلف انداز سے بحث کی اور اس کے مفہوم ومعانی بیان کیے ہیں۔ اس پر تمام طبقاتِ امت متفق ہیں کہ سنّت دین کے اساسی اور بنیادی مآخذ میں سے ہے اور اس کی قطعیت اور حجیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سنّت' علمائے اصول کے نزدیک: علماء اصول فقہ نے اسلامی قوانین کے دوسرے بڑے مأخذ کی حیثیت سے سنّت کی یہ تعریف کی ہے: ''شرع اسلام میں سنّت کے لفظ کا اطلاق ان تمام امور پر ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں' اسی طرح ان دلائل پر بھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہوئے' لیکن وہ قرآن نہیں''(۴)۔

علامہ آمدیؒ کی وضع کردہ اس تعریف کی رو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور ایسے اعمال جو قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص بھی نہیں' سنّت کی تعریف میں داخل ہیں اور امت کے لیے ان کا اتباع اور

۲۔ لسان العرب (دار الصادر) ۱۳/۲۲۴ بذیل مادہ سنن۔

۳۔ جمھرۃ اللغہ ۱/۹۵۔ الصحاح فی اللغہ والعلوم ۱/۶۲۰۔ معجم مقاییس اللغہ ۳/۶۱۔ المفردات فی غریب القرآن ص ۲۴۵۔ اساس البلاغہ ۲/۶۳۳۔ النھایہ فی غریب الحدیث والاثر ۹/۲۰۱۔ تاج العروس ۹/۲۴۳ تا ۲۴۶۔

۴۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۱/۲۴۱۔

ان کی پیروی اسی طرح واجب اور ضروری ہے جس طرح قرآن کریم کی۔قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گواہی دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نطق وگویائی اور فعل وعمل صرف اللہ کے حکم اور وحی کے تحت ہے' ذاتی اور نفسانی خواہش وتمنا کو اس میں ادنیٰ بھی دخل نہیں (۵)۔علماء اصول سنّت کی وہی اقسام بیان کرتے ہیں جو وجوبِ حکم کے ضمن میں قرآن کریم کی بیان کی جاتی ہیں۔

علامہ خضری بک سنّت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سنّت کے لفظ کا اطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول' فعل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں لفظ بدعت ہے (۶)۔اس تعریف کے آخر میں بدعت کے لفظ سے سنّت کی تعریف مزید واضح ہوگئی کہ ہر قولِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' فعلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تقریر رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کسی صحابی کا وہ عمل جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا) حجت ہے لیکن ان تینوں چیزوں کے سوا امت میں جو چیز دین کا جزو بن کر داخل ہوگی وہ بدعت متصور ہوگی اور بدعت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضلالت اور گمراہی سے تعبیر کیا ہے (۷)۔اللہ تعالیٰ کی نظر میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی عظمت اس قدر بلند وبالا ہے کہ جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً' عملاً یا تقریراً ثابت نہیں وہ دین کا حصہ نہیں بن سکتی اور اگر کوئی ایسی کوشش کرے گا تو وہ گمراہی کو اپنے نامہ اعمال میں لکھنے والا ہوگا۔

سنّت' محدثین کے نزدیک: محدثین کے نزدیک سنّت کا مفہوم زیادہ عام ہے۔اصولیین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اقوال' افعال اور تقریرات کو سنّت میں شامل مانتے ہیں۔اکثر محدثین کے نزدیک آثار صحابہؓ اور بعض محدثین کے مطابق آثار تابعین بھی سنّت کی تعریف میں شامل ہیں۔

ڈاکٹر نورالدین عتر لکھتے ہیں کہ محدثین کی اصطلاح میں سنّت بعض کے نزدیک صرف اس چیز کو کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہو اور اکثر کے نزدیک جو صحابہؓ یا تابعین کی طرف منسوب ہو'' (۸)۔یعنی آثار صحابہؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا نمونہ اور آثار تابعین جو صحابہؓ کی اتباع کا نمونہ ہیں' سنّت میں شامل ہیں اور صحابہؓ و تابعین کے آثار و اعمال کو سنّت میں شامل کرنا سنّت کی اس عظمت اور قدر و منزلت کی بنا پر ہے جو صحابہؓ کے قلوب میں موجزن تھی۔

سنّت' فقہاء کے نزدیک: فقہاء کے نزدیک سنّت کی تعریف حسب ذیل الفاظ سے کی جاتی ہے:

۵۔ نطق کے لغوی مفہوم پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کو قرآن کریم کی تلاوت کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔آیت ''وما ینطق عن الھوی'' (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں) میں نطق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ہی مراد ہے۔

۶۔ اصول الفقہ ص ۲۱۴۔

۷۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کل بدعة ضلالة'' یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔دیکھیے سنن ابن ماجہ' مقدمہ ۱/ ۱۸۔

۸۔ منہج النقد فی علوم الحدیث ص ۲۸۔

''ہر وہ چیز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو لیکن وہ فرائض یا واجبات دین میں سے نہ ہو یعنی ایسا طریقہ جس پر عمل بحثیت فرض یا واجب نہ کیا جائے'' (۹)۔

ڈاکٹر نورالدین عتر سنّت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک سنّت کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جن ے کرنے والے کو ثواب دیا جاتا ہے لیکن ترک کرنے والے کو عذاب نہیں دیا جاتا (۱۰)۔

فقہاء کے نزدیک سنّت کی تعریف واقسام بیان کرتے ہوئے صاحب ''التعریف الفقہیہ '' لکھتے ہیں'' وہ طریقہ جس پر ین میں عمل کیا جائے لیکن فرض اور واجب کی حیثیت سے نہیں'' (۱۱)۔ دراصل فقہاء کے اس نظریہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ وہ سنّت ی تعریف میں صرف افعال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کرتے ہیں جب کہ اقوال وتقاریر ان کے نزدیک حدیث میں داخل ہیں۔

فقہاء کا اصول یہ ہے کہ قولِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عملِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح حاصل ہے۔ کسی چیز کی فرضیت اور اس کا جوب قرآن کریم کے بعد اقوالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ عمل محض سے وہ چیز امت کے لیے سنّت موکدہ کا درجہ رکھتی ے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنّت پر ہمیشہ عمل کیا ہے اور اگر کبھی ترک کیا ہے تو وہ سنّت غیر موکدہ ہو گی۔ موکدہ اور غیر وکدہ کی تقسیم بھی تکنیکی تقسیم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر مبنی ہے:

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك مع كل صلوة (۱۲)

اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وعمل واجب الاتباع ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول اور ایک ایک عمل پر یک ہی طرح کے وجوب کی بنا پر عمل کرنا امت کے لیے مشقت کا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اعمال کو بعض وقات تعلیمِ امت کی خاطر ترک کر دیا کرتے تھے تاکہ امت کے لیے بھی اس کو ترک کرنے کی گنجائش رہے اور بصورت عذر اس کو ترک کر سکے۔ لیکن اس کے باجود سنّت پر عمل اس کثرت کے ساتھ ہو کہ اس پر مداومت محسوس ہو کیونکہ سنّت مداومت کا نام ہے۔

علامہ شوکانی'' مشہور ماہر لغت علامہ کسائیؒ کا قول نقل کرتے ہیں ''سنّت کے معنی دوام (ہیشگی) کے ہیں۔ پس ہمارا سنّت کہنے سے مراد ایسا کام ہے جس پر مداومت کے ساتھ عمل ہو'' (۱۳)۔ سنّت ایسے ہی کام کو کہیں گے جس پر زندگی میں اکثر عمل رہا ہو یا یشہ اس طریقہ کو اپنایا گیا ہو۔

۹۔ السنہ قبل التدوین ص ۱۸۔
۱۰۔ منہج النقد ص ۲۸۔
۱۱۔ التعریف الفقہیہ ص ۳۲۸۔
۱۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب السواک یوم الجمعہ ۱/۱۲۲
۱۳۔ ارشاد الفحول ص ۶۷

حدیث اور سنّت میں فرق

سنّت کی تعریف کے ضمن میں محدثین' اصول حدیث کے ماہرین' اصول فقہ کے ماہرین اور فقہاء کے اقوال کو اوپر نقل کیا گیا۔ سنّت کی تعریف جان لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث اور سنّت میں کیا فرق ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے حدیث کے عرفی اور اصطلاحی معنی جاننا ضروری ہیں۔

حدیث کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الطحان لکھتے ہیں ''ہر وہ قول' فعل' تقریر یا صفت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہو' حدیث کہلاتی ہے'' (۱۴)۔

ڈاکٹر نور الدین عتر نے صفات کو دو قسموں میں تقسیم کر کے تعریف کو جامع تر بنایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''ہر وہ قول' فعل' تقریر' عادت اور سیرت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو' حدیث کہلاتی ہے'' (۱۵)۔

ملّا علی قاریؒ نے حدیث کی تعریف میں اس سے بھی زیادہ جامع الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیداری کے اقوال و افعال کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب بھی حدیث میں داخل ہو گئے۔ وہ لکھتے ہیں ''اصطلاحِ محدثین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل' تقریر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام کام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ بیداری میں سرانجام دیئے یا نیند کی حالت میں' وہ حدیث ہیں'' (۱۶)۔ اس تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سونے کے دوران کی عادتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب بھی حدیث کی تعریف میں داخل ہو گئے۔

اس طرح حدیث کے مشمولات کی فہرست کچھ اسی طرح مرتب کی جاسکتی ہے:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال۔

۳۔ تقریر (کسی شے کو برقرار رکھنا)۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سونے اور جاگنے کی عادتیں۔

۱۴۔ تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۴

۱۵۔ منہج النقد ص ۲۶

۱۶۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۱۶

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خواب۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ فطری وخلقی۔

سنّت وحدیث کی تعریف، معنی، ان کے مصداقات ومشمولات کی اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حدیث اور سنّت میں بہت باریک فرق ہے۔ حدیث اور سنّت دونوں میں اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کو داخل سمجھا گیا ہے لیکن گذشتہ بحث سے ایک باریک فرق یہ واضح ہوا کہ حدیث میں ہر وہ قول وعمل اور تقریر داخل ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ بھی منقول ہے، جبکہ سنّت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول وعمل ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ، اکثر یا کم از کم ایک سے زائد مرتبہ منقول ہے۔ حدیث اور سنّت کے اس باریک فرق کو سمجھنے کے لیے ایک حدیث بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ نماز کی فرضیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا:

صلوا کما رأیتمونی اصلی (۱۷)

اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (قول) حدیث اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل جس کی پیروی کرنے کا آپ نے حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔ اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان کیا:

علیکم بسنّتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین (۱۸)

تم پر میری اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنّت کی پیروی لازمی ہے۔

قولِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور فعلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق

گذشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث اور سنّت کے مصداقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال شامل ہیں۔ وہ اقوال اور افعال ہم تک کس طرح نقل ہوئے، درمیان میں کون کون راوی کس کس حیثیت کے آئے، سند میں شروع سے آخر تک ربط موجود ہے یا درمیان میں کوئی راوی ساقط ہے، آیا تمام راوی قابل اعتبار اور ثقہ ہیں۔ سند اور راوی کے اعتبار سے روایت کے جو مراتب متعین ہوتے ہیں اس پر تو آئندہ اوراق میں بحث ہوگی، ذیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں محدثین اور اصولیین نے جو فرق ملحوظ رکھا ہے اس پر گفتگو کی جارہی ہے۔

اقوال وافعال کی اس بحث میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کو ترجیح حاصل ہے۔ اس ضمن میں

۱۷۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر ۱/۲۲۶

۱۸۔ سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنہ ۴/۲۰۱

مندرجہ ذیل شکلیں ممکن ہیں:

۱۔ قول، فعل سے مقدم ہو۔

۲۔ فعل، قول سے مقدم ہو۔

۳۔ تقدیم وتاخیر کی تعیین نہ ہو سکتی ہو۔

فعل کے مقدم ہونے اور زمانہ کی تعیین نہ ہو سکنے کی شکل میں قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اصولیین کے نزدیک قول فعل پر ترجیح رکھتا ہے (۱۹)۔

افعالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقسام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو حسب ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر اور آپ کے اعضاء جسمانی کے ایسے افعال جو خالصتاً تقاضائے بشری کا نتیجہ ہوں جیسے سر کو جنبش دینا، ہاتھ ہلانا اور پلکیں جھپکنا وغیرہ۔

۲۔ وہ افعال جن کا عبادات سے تعلق نہ ہو بلکہ جبلی اور فطری عادت کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سرانجام دیتے ہوں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے، بیٹھنے یا سونے کی عادات مبارکہ وغیرہ۔

۳۔ ایسے افعال جو عادت میں شمار ہوتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص انفرادی کیفیت کے ساتھ اس عادت کو اہتمام سے ہمیشہ سرانجام دیتے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اہتمام اس عادت کو طبیعت سے زیادہ شریعت سے قریب کر دیتا ہو۔

۴۔ وہ افعال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہوں۔ ان مخصوص افعال کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ امور جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز ہیں جیسے مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا یا چار سے زائد شادیاں یا مسلسل بلا وقفہ نفلی روزہ رکھنا۔

۲۔ وہ عبادات جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہوں جیسے تہجد اور چاشت کی نمازیں۔

۵۔ کسی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عملی فیصلہ کیا۔

۶۔ ایسے افعال جو قرآن کریم میں نازل شدہ کسی حکم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے کسی قول میں موجود اجمال کو دور کر رہے ہوں اور اس حکم کو عملی طور پر نافذ کر کے اس کے لیے بیان کا درجہ رکھتے ہوں۔

مثلاً قرآن کریم نے چور کی سزا یہ بیان فرمائی:

۱۹۔ ارشاد الفحول ۷۹

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا (المائدۃ ۵:۳۸)

چور مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

قرآن کریم کے اس حکم میں یہ اجمال ہے کہ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹ کر اس اجمال کو اپنے فعل مبارک سے دور کر دیا۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فعل جو قرآن کریم یا نبوی قول کے کسی اجمال کی تفصیل یا بیان نہ ہو بلکہ ایک علیحدہ اور مستقل حیثیت رکھتا ہو، اس کی دو شکلیں ممکن ہیں:

۱۔ اس فعل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربِ الٰہی کا قصد ظاہر ہو رہا ہو۔

۲۔ قربِ الٰہی کا کوئی قصد کسی قرینہ سے ظاہر نہ ہو رہا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام افعال سنت کی تعریف میں داخل ہیں (۲۰)۔ ان میں سے کچھ افعال سنتِ تشریعی میں اور کچھ سنتِ عادی میں داخل ہیں۔

قرآن وسنّت میں باہم تعلق

لفظ سنّت قرآن کریم میں ۱۶ مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ۹ مقامات ایسے ہیں جن میں سنت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے (۲۱)۔ سنّت اللہ سے مراد اللہ کی وہ عادات ہیں جو اس کے بندوں کے لیے ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ ۶ مقامات پر سنت کی نسبت ''اولین''، یعنی پہلے لوگوں کی طرف کی گئی ہے جس میں ماضی کی اقوام کی اچھی اور بری عادتیں بیان کی گئی ہیں۔ سنّت کی نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب پورے قرآن کریم میں صرف ایک مرتبہ یعنی سورت الاسراء کی آیت ۷۷ میں کی گئی ہے۔ جس کی وضاحت کرتے ہوئے اہل علم لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے منسوب اقوال، افعال، اعمال اور اخلاق ان کی سنّت ہے (۲۲)۔

قرآن کریم میں سنت کے ان استعمالات کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مطہرہ اور قرآن میں باہمی تعلق کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قرآن اور سنّت کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے تین باتوں کا جاننا ضروری ہے، اسی پر ان دونوں کے باہمی تعلق کی اساس و بنیاد ہے:

۱۔ سنّت میں کوئی ایسی چیز اسی طرح بیان کی جائے جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے۔ ایسی صورت میں سنّت قرآن کریم کے

۲۰۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۱/ ۲۴۷

۲۱۔ الاسراء ۱۷: ۷۷، الاحزاب ۳۳: ۳۸، ۶۲، فاطر ۳۵: ۴۳، المومن ۴۰: ۸۵، یونس ۱۰: ۹۰-۹۱، الفتح: ۲۳۔

۲۲۔ السنۃ فی ضوء القرآن الکریم ص ۱۹۰

لیے ''مؤید'' کہلاتی ہے۔

۲۔ سنّت کتاب اللہ کے کسی حکم کی عملی شکل بیان کرے تو ایسی صورت میں سنّت قرآن کریم کے لیے ''بیان'' کا درجہ رکھتی ہے۔

۳۔ سنّت کسی ایسے حکم پر مشتمل ہو جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔

ان تینوں صورتوں کو ذیل میں علیحدہ علیحدہ وضاحت سے بیان کیا جائے گا (۲۳):

سنّت ٗمؤیدِ قرآن

جب سنّت کسی ایسی چیز کا حکم دے جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی اسی طرح ہو تو گویا اس حکم کو قرآن کریم نے نافذ و ثابت کیا اور سنّت نے اس حکم کی تائید و تاکید کی۔ مثلاً نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج کے فرض ہونے کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت نے ان عبادات کو واجب قرار دیا ہے۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کی فرضیت کو قرآن کریم نے نافذ و ثابت کیا اور سنّت نے اس کے ثبوت کی تائید اور تاکید کی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا :

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء۴: ۱۰۳)

بے شک نماز پابندیِ وقت کے ساتھ مومنوں پر فرض کی گئی ہے۔

اس آیت مبارکہ سے نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا فرض ثابت ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی ہر نماز اس کے متعین وقت میں ادا فرمائی' یہ سنّت اس حکم کی تائید اور تاکید کرتی ہے۔

سنّت ٗبیانِ قرآن

قرآن کریم میں نازل ہونے والے احکام اصولی اور بنیادی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ عموماً ان کی تفصیلات' اوقات اور ادائیگی کے طریق پر قرآن کریم میں بحث نہیں ہوتی۔ ان تمام چیزوں کی تفصیلات سنّت سے ملتی ہیں۔ مثلاً قرآن کریم نے حکم دیا کہ نماز قائم کرو اور پھر یہ بھی بتا دیا کہ نماز کے مخصوص اوقات ہیں' اب یہ تفصیلات کہ ایک دن رات میں کتنی نمازیں ہیں' ہر نماز کا وقت کیا ہے اور اس میں کتنی رکعتیں ہیں' یہ باتیں سنّت کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت عمران بن حصینؓ کے پاس ایک شخص آیا' حضرت عمرانؓ نے اس کے سامنے حدیث نقل کی' اس شخص نے آپ سے کہا کہ ہمارے سامنے قرآن کے سوا کچھ بیان نہ کرو' اس پر حضرت عمرانؓ نے فرمایا:

''تم ایک احمق شخص ہو' کیا قرآن کریم میں تفصیل موجود ہے کہ ظہر کے فرض کی چار رکعتیں ہوتی ہیں اور ان میں آہستہ قرات کی جاتی ہے؟ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیلات کیا قرآن کریم میں ملتی ہیں؟ قرآن نے ان چیزوں

۲۳۔ العدۃ ۱/۱۰۰ تا ۱۲۴

کا حکم دیا ہے اور سنت نے ان کی تفصیل بیان کی ہے' (۲۴)۔

معلوم ہوا کہ سنت قرآن کریم کو بیان کرتی ہے۔اس کا اشارہ خود قرآن کریم میں ایک سے زائد جگہوں پر ملتا ہے مثلاً ارشاد الٰہی ہے:

وَ اَنزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ (النحل۱۶:۴۴)

ہم نے آپ پر کتابِ نصیحت اسی لیے اتاری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے اس کو کھول کھول کر بیان کر دیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه' (القیامہ۷۵:۱۹)

پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کا بیان

فرائض نبوت کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران۳: ۱۶۴)

لوگوں پر اللہ کے کلام کی تلاوت کریں گے' ان کے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں گے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں گے۔

عام طور پر محدثین و مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ حکمت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنت مطہرہ ہے جس کے ذریعہ لوگ قرآن کریم کے احکام کے عملی بیان کا مشاہدہ کریں گے۔اس بیان کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ ایسے احکام کا بیان جو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور نہیں۔

۲۔ کسی حکم کے عام مصداقات میں سے چند کو خاص کرنا۔

۳۔ کسی حکم میں مذکور الفاظ و تعبیرات کے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی مراد لینا۔جیسے امر کا صیغہ حقیقی معنی کے اعتبار سے اس کام کو واجب کر دیتا ہے جس کا اس صیغہ کے ذریعہ حکم دیا جا رہا ہے' اس صیغہ کو مجازی طور پر وجوب کے بجائے جواز کے لیے استعمال کرنا۔

۴۔ کلام الٰہی کی مراد اور اس کے متعین مصداق کی وضاحت کرنا۔مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہوا

وَ اٰتُوْا حَقَّه' يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام ۶:۱۴۱)

۲۴۔ اصول التشریع ص ۲۵

جس دن (پھل توڑ و اور کھیتی) کاٹو تو اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔

اس کلام الٰہی کی مراد واضح کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس حق سے مراد عشر یا خمس ہے جو زمین کی پیداوار پر دینا ضروری ہوتا ہے۔

۵۔ قرآن کریم کے کسی حکم کو منسوخ قرار دینا۔

بیان کی ضرورت: اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں کسی حکم کے موجود ہونے کے بعد کسی بیان کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ ان ضرورتوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ بعض اوقات آیت میں اجمال ہوتا ہے اور اس اجمال کی وضاحت کے بغیر اس کو سمجھنا ممکن نہیں ہوتا مثلاً:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء ۴:۲۴)

اور ان (محرمات) کے سوا دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔

یہ آیت مجمل ہے اور بیان کے بغیر اس آیت کا مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔

۲۔ بعض اوقات لفظ اپنے حقیقی اور ظاہری معنی میں استعمال نہیں ہو سکتا، وہاں یہ بیان ضروری ہوتا ہے کہ یہاں لفظ اپنے مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کا استعمال کیا ہے۔

اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے کسی عام حکم کو سنّت کے ذریعہ خاص کیا جا سکتا ہے یا نہیں، اس ضمن میں علامہ آمدیؒ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کریم کے حکم کی تخصیص سنّت متواترہ سے کی جا سکتی ہے۔ البتہ سنّت غیر متواترہ کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

علامہ شوکانیؒ نے ''ارشـاد الـفـحـول '' میں علامہ مکحولؒ اور علامہ یحییٰ بن کثیرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ سنّت کتاب اللہ کے صحیح مصداق کا فیصلہ کرتی ہے، کتاب اللہ سنّت کے مصداقات متعین نہیں کرتی (۲۵)۔ یعنی سنّت قرآن کریم کے عام حکم کی تخصیص کے لیے اور اس کے مصداق کے تعین کے لیے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں رائے یا اجتہاد محض ایک احتمال کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی سے ''السنة قاضية على الكتاب ''(۲۶) کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس کا مقصد سنّت کو کتاب اللہ سے راجح یا اس پر حاکم قرار دینا نہیں ہے بلکہ فہم کتاب کے لیے اس کو اولین مصدر قرار دینا ہے۔

بیان کی اقسام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مطہرہ کے ذریعہ احکام ربانی کے بیان کی چند قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ بنیادی طور

۲۵۔ ارشاد الفحول ۱/۶۹

۲۶۔ ارشاد الفحول ۱/۶۹

پر اس بیان کی تین قسمیں ہیں: قول سے، عمل سے اور تقریر سے بیان۔ اس ضمن میں قول سے بیان سب سے زیادہ راجح اور قوی سمجھا جاتا ہے جیسا کہ گذشتہ بحث سے واضح ہو چکا ہے۔ قول کے بعد فعل اور سب سے آخر میں تقریر کا مرتبہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر ان اقسام کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

احلت لنا الميتتان والدمان (۲۷)

ہمارے لیے دو مردار اور دو قسم کے خون جائز ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (قول) مندرجہ ذیل آیت مبارکہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (المائدة ۵:۳)

تمہارے اوپر مردار اور خون حرام ہے

کا بیان ہے کہ دو مردار یعنی مچھلی اور ٹڈی اور دو خون یعنی کلیجا اور تلی اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

۲۔ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم میں موجود کسی حکم کی مدت بیان فرمائیں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''لا وصية لوارث'' (۲۸) (وارث کے لیے وصیت نہیں ہے) قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کے حکم کی مدت متعین کر رہا ہے:

اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَا ۨ الۡوَصِيَّةُ لِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ (البقرة ۲:۱۸۰)

اگر مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے۔

یہ حکم جس میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کا حکم دیا گیا تھا، ایک خاص وقت کے لیے تھا اور آج وہ وقت پورا ہو گیا۔ لہٰذا اب ''لا وصية لوارث'' (یعنی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے) کا قانون نافذ ہو گا۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد گرامی بعض اوقات خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے کسی فرمان کو منسوخ کرتا ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نهيتكم عن لحوم الاضاحى فوق ثلاث فامسكوا مابدالكم (۲۹)

میں نے تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا، اب جب تک چاہو رکھو

۲۷۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمة، باب الكبد والطحال ۱۱۰۲/۲

۲۸۔ سنن ابوداؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصیہ لوارث ۱۰۳/۲

۲۹۔ صحیح مسلم، باب استئذان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ عز وجل فی زیارۃ قبر امہ ۲۷۸/۲

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے سابق فرمان کے لیے بیان بن رہا ہے۔

۴۔ تحریر کے ذریعہ بیان بھی بیانِ قولی (سنتِ قولی) میں داخل ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو صدقات، دیت اور دوسرے احکام تحریر کروائے (۳۰)۔

۵۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کسی غیر منصوص (ایسا حکم جو نص یعنی قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی فرمان نبوی میں منقول نہ ہو) کی وضاحت و بیان پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت جحشؓ کو دم استحاضہ کے بارہ میں بتایا کہ یہ مرض کا خون ہے، حیض کا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے پہلے دم استحاضہ کا حکم منصوص نہ تھا یعنی اس کے بارے میں کوئی فرمان نبوی نہیں تھا۔

۶۔ فعل سے بیان کی صورت جیسے کہ پہلے گزر چکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ ﴿اقیموا الصلٰوۃ﴾ (یعنی نماز قائم کرو) کو بیان کیا۔

عمل سے بیان کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی حکم کو ہاتھ کے اشارہ سے بیان فرمائیں۔ مثلاً مہینے کے تیس یا انتیس دن بیان کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ ایک دفعہ دونوں ہاتھ کی دس انگلیوں سے تین مرتبہ اشارہ کیا اور دوسری دفعہ کے اشارہ میں تیسری مرتبہ نو انگلیوں سے اشارہ کیا (۳۱)۔

۷۔ تقریر سے بیان کی شکل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا کوئی معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آیا اور آپ نے اس معمول کو برقرار رکھا یا منع نہیں فرمایا۔ مثلاً صحابہ کرامؓ باہمی کاروبار میں شرکت کرتے، مضاربت اور قرض کے معاملات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی بھی چیز کو منع نہیں کیا۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غلط کام کو ہوتے دیکھیں اور پھر اس سے امت کو آگاہ نہ کریں (۳۲)۔

سنّت کی تشریعی حیثیت : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سنّت کی دو اقسام ہیں:

۱۔ سنن ہدیٰ : اس کا دوسرا نام سنن مؤکدہ ہے جو واجب سے قریب ہے۔ سنّت کی اس قسم پر عمل کرنے سے دین کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ سنتیں شعائر دین میں سے ہیں جیسے جماعت، اذان، اقامت اور فرض نماز کے ساتھ پڑھی جانے والی سنن مؤکدہ۔

۲۔ سنن زوائد : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عادات مبارکہ جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر پابندی کی ہو اور شاذ و

۳۰۔ سنن نسائی، کتاب الدیات، باب ذکر حدیث عمرو بن حزمؓ ۵۱/۸

۳۱۔ صحیح بخاری، کتاب الصیام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نکتب و لا نحسب ۳۴/۳

۳۲۔ العدۃ ۱۲۷/۱

نادر ہی کبھی چھوڑا ہو جیسے کپڑے بدلنے، سونے، کھانے پینے، سواری پر سوار ہونے اور اترنے کی عادات وغیرہ۔ اس قسم کی سنّتوں کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے لیکن نہ کرنے سے کوئی گناہ یا کراہت لازم نہیں آتی (۳۳)۔

افعالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث میں افعال کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں یہ ان میں سے تیسری قسم ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنّت کی دو شکلیں ہیں:

۱۔ پہلی شکل تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک حکم دیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اتباع کر کے دکھایا۔

۲۔ دوسری شکل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مدعا اور کیفیتِ اداء کو بیان کیا کہ اس حکم سے مقصود ومرادِ الٰہی کیا ہے اور یہ حکم خاص ہے یا عام۔

سنّت کی ان دونوں شکلوں کی اتباع تمام علماء، فقہاء، محدثین اور مفسرین کے نزدیک واجب ہے۔

اگر سنّتِ نبوی میں کوئی ایسا حکم مل رہا ہو جس کا براہ راست صراحتاً قرآن کریم میں ذکر نہ ہو تو امام شافعیؒ بعض علماء کا یہ موقف نقل کرتے ہیں کہ:

۱۔ قرآن کریم نے ہر ایسے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض قرار دی ہے جہاں کتاب اللہ کا کوئی حکم نہ ہو۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اور آپ کی سنن مطہرہ میں کوئی ایسی سنّت یا کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کی کوئی نہ کوئی اصل قرآن مجید میں موجود نہ ہو، مثلاً خرید وفروخت کے تمام احکام مسنونہ کی بنیاد آیت ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرة ۲:۱۸۸) (تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے نہ کھاؤ) میں موجود ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنّت اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ہے لہٰذا وہ قرآن ہی کی طرح حجت ہے۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت وہ حکمت ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے۔

اس بحث کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض قرار دی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت خواہ کتاب اللہ کے کسی حکم پر عمل کی شکل میں ہو یا مستقل، وہ اللہ کے حکم سے مختلف نہیں ہوسکتی اور ہر حالت میں واجب الاطاعت ہے۔

ائمہ اصولیین کے نزدیک سنّت پر عمل کس حد تک ضروری ہے اور کس حد تک سنّت احکامِ شریعت میں مصدر کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی تفصیلات کچھ اس طرح بیان کی جاسکتی ہیں:

۱۔ افعالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی قسم جو خالصتاً حرکاتِ بشریہ سے تعلق رکھتی ہے جیسے جسم کا حرکت کرنا وغیرہ، سنّت کی اس قسم کا

۳۳۔ کشف الاسرار ۶۲۲۔ حاشیہ ابن عابدین ۱/۹۷

اتباع واجب اور ضروری نہیں۔ البتہ اگر کوئی اس کا اہتمام کرے تو اس کے لیے اجر وثواب ہے۔

۲۔ وہ افعال جو عادت یا عبادت نہ ہوں بلکہ جبلی اور فطری ہوں جیسے قیام وقعود یا دوران سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی خاص جگہ پر قیام فرمانا' اس کا اتباع بھی بہتر ہے' جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفر کے دوران تلاش کر کے ان مقامات پر ٹھہرتے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا تھا (۳۴)۔

۳۔ ایسے افعال جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی اور جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر و بیشتر عمل کیا' ان افعال کے ضمن میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ امور ہیں جن کا تبلیغ و رسالت سے کوئی تعلق نہیں (۳۵)۔ ان امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج و طب سے متعلق ارشادات ہیں یا وہ امور بھی ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عادتاً یا اتفاقیہ کرتے تھے یا برسبیل تذکرہ کوئی بات فرماتے۔ ان طبی امور کو سنّت کی تعریف سے نہیں نکالا جا سکتا کیونکہ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے جو مخصوص طریق کار اپنایا ہے یا کسی مخصوص کیفیت کو اپنی عادت بنایا ہے' وہ کام' وہ طریق یا وہ کیفیت ناجائز' حرام' مکروہ یا ممنوع نہیں ہو سکتی۔ اگر اس میں کسی درجہ بھی ناپسندیدگی ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اختیار ہی نہ فرماتے اور اگر اختیار کر ہی لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا جاتا کہ یہ کیفیت حق تعالیٰ جل وشانہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ترک کر دیتے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہنی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا استعمال ترک کر دیا اور اعلان فرما دیا کہ آئندہ میں اسے استعمال نہیں کروں گا (۳۶)۔ سونے کے زیورات کا استعمال مرد کے لیے اللہ تعالیٰ کو پسند نہ تھا' وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا اور آپ نے اسے چھوڑ دیا۔

ناجائز یا حرام کے مقابلہ میں یہ چیز فرائض اور واجبات میں سے بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ان عادات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام سے اختیار کیے رکھا لیکن امت کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ چیزیں تقرب الٰہی کی نیت سے کیں۔ یہ امور فرض یا واجب کی تعریف میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ ناجائز وحرام یا فرض و واجب کے درمیان راستہ اباحت (جواز یا اجازت) کا ہے۔ اباحت کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ ایک حکم شرعی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ طبعی افعال اور فطری عادات اباحت کے حکم شرعی کے تحت آتے ہیں اور ہمارے لیے ان کی اتباع اور پیروی مندوب و مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا' ان کے حق میں یہ کام مباح (جائز) ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے امت کو اس

۳۴۔ الموطا ۱/۳۳۳

۳۵۔ حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۲۷۱

۳۶۔ صحیح بخاری' كتاب الاعتصام بالسنة' باب الاقتداء بافعال النبی صلی الله علیه وسلم ۹/۱۱۹

کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا لیکن اپنے عمل (سنت) سے اس کو از خود اختیار کیا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کو اختیار کرنے کی جانب کو ترجیح دے دی۔ امت کے حق میں یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیح کی وجہ سے مباح سے نکل کر مندوب، مستحب یا پسندیدہ امور میں داخل ہو گیا۔

کسی شخص کے لیے پانی پینا، کھڑے ہو کر پینا یا بیٹھ کر پینا، دائیں ہاتھ سے پینا یا بائیں ہاتھ سے پینا، یہ سب امور مباح ہیں۔ ان میں سے کسی کو اختیار کرنے اور باقی کو چھوڑنے کا اختیار اسے حاصل تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پانی پیا کرتے تھے اور دائیں ہاتھ سے پیتے تھے تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس کے حق میں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر، دائیں ہاتھ سے یا بائیں ہاتھ سے، ہر دونوں کیفیات میں سے پہلی کیفیت کے لیے وجہ ترجیح موجود ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اب وہ اسے اختیار کرے تو اس پر ثواب ہوگا اور اگر جان بوجھ کر مخالفت کرے یا اس طریقہ کے باوجود اس علم کے کہ سنت نبوی ہے، مذاق اڑائے تو موجب عذاب ٹھہرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مطہرہ کو سنّت کی تعریف سے خارج کر دینے یا اس کو مصدر شرعی نہ سمجھنے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان افعال کو سنّت کی اس تعریف کی روشنی میں دیکھا گیا جو فقہاء نے کی ہے۔ فقہاء کی تعریف میں سنّت ایسے امور کو کہا جاتا ہے جن کو کرنے یا نہ کرنے میں ثواب یا عذاب نہ ہو اور عادات نبوی سے ہمیں کوئی شرعی حکم نہ معلوم ہوا ہو لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مطہرہ کو سنّت کی تعریف سے خارج کرنے اور بحیثیت مصدر، احکام میں داخل نہ کرنے کا خیال درست نہیں کیونکہ شارع علیہ السلام کے ہر قول وفعل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نطق و گویائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے اور جاگنے میں ہمارے لیے کوئی نہ کوئی حکم شرعی ہے۔ کسی میں فرض، کسی میں واجب، کسی میں حرام، کسی میں مکروہ اور کسی میں مباح اور جائز۔ کسی چیز کا جائز یا مباح ہونا بھی احکام شرعیہ میں ہے۔

شیخ عبدالغنی ''حجية السنة'' میں لکھتے ہیں:

> ''جاننا چاہیے کہ سعادت (خوش بختی اور کامیابی) کی کنجی اتباع سنّت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے۔ ان تمام چیزوں میں جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور ہوتا تھا نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حرکات وسکنات، حتیٰ کہ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور گفتگو کرنے کی ہیئت میں، یہ میں صرف ان آداب کے بارہ میں نہیں کہہ رہا ہوں جن کا تعلق عبادات سے ہے کیونکہ دوسرے امور میں بھی سنّتوں سے لاپرواہی برتنے کا کوئی جواز نہیں، بلکہ میں ان تمام امور کے بارے میں بھی کہہ رہا ہوں جن کا تعلق عادات سے ہے۔ انہی کی پیروی کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع ہو سکتی ہے'' (۳۷)۔

۳۷۔ حجية السنة (زیر طباعت)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت نہ صرف عبادات میں ہمارے لیے مصدرِ شرعی ہے بلکہ عادات واطوار اور آداب زندگی میں بھی ہمارے لیے شرعی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مطہرہ کی اتباع اور پیروی کے بغیر کیا ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ (آل عمران ۳:۳۱) (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں سے فرما دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو) پر عمل ہوسکتا ہے؟

سنّت کی استنادی حیثیت

سنّت کے مفہوم و مصداق، اقسام اور اس کی قانونی وتشریعی حیثیت پر بحث کے بعد ضروری ہے کہ اس کی استنادی حیثیت پر بحث کی جائے جسے سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ استنادی حیثیت کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، افعال وتقریرات ہم تک جس ذریعہ سے پہنچے ہیں وہ ذرائع کس حد تک قابل اعتبار ہیں۔ اگر یہ ارشادات ہم تک کتابوں کے ذریعہ پہنچے ہیں تو ان کتابوں کا مقام ومرتبہ کیا ہے اور مولف کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کس قدر واسطے ہیں، ان واسطوں میں کون کون لوگ شریک ہیں، وہ لوگ قابل اعتبار ہیں یا نہیں، قابل اعتبار ہیں تو کس حد تک؟ اس بحث کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا:

۱۔ اصول روایت و درایت اور معیارات جرح وتعدیل۔

۲۔ باعتبار اتصال سند (سند کا تسلسل) سنّت کی اقسام اور ان کی درجہ بندی۔

۳۔ باعتبار صحت (نقل کرنے والوں کے سیرت وکردار کی روشنی میں) سنّت کی اقسام اور ان کے مراتب۔

اس بحث سے اندازہ ہوگا کہ سنّت کی استنادی حیثیت کیا ہے اور بطور مصدر قانون اسلامی اس کی دلالت قطعی ہے یا ظنی۔

اصولِ روایت ودرایت

علم اصولِ روایت و درایت میں کسی حدیث کی سند اور متن پر تحقیق کی جاتی ہے۔ اس علم کی بنیاد قرآن مجید کی اس آیت سے فراہم ہوتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْآ (الحجرات ۴۹:۶)

اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی اچھی طرح چھان بین اور تحقیق کرلیا کرو

اصول روایت میں راوی کے لیے معیارات جرح وتعدیل کے علاوہ سند کے تسلسل کو دیکھا جاتا ہے۔ اس پر بحث آئندہ اوراق میں آئے گی۔ درایت کی روشنی میں کسی روایت کو پرکھنے کے لیے حسب ذیل اصول بیان کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ وہ روایت قرآن حکیم کے خلاف نہ ہو۔

۲۔ واقعات ومشاہدات کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ مسلمہ عقلی اصولوں کے منافی نہ ہو۔

۴۔ حدیث متواتر اور تعامل صحابہؓ کے خلاف نہ ہو۔

۵۔ قطعی ویقینی اجماع کے خلاف نہ ہو۔

۶۔ عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۷۔ اوہام پرستی کی ترغیب سے پاک ہو۔

۸۔ معمولی گناہ پر بہت بڑے عذاب کی خبر نہ ہو۔

۹۔ مضمونِ روایت میں اس قسم کا اشتباہ نہ ہو جس کی توجیہ ممکن نہ ہو۔

۱۰۔ الفاظ کا مفہوم شانِ نبوت کے منافی نہ ہو۔

۱۱۔ ایسی پیش گوئی نہ ہو جس میں کسی واقعہ کے لیے ماہ وسال کا تعین ہو (۳۸)۔

۱۲۔ اسے صرف ایک راوی روایت کرے حالانکہ اس میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا ہو جو وقوع پذیر ہوا ہوتا تو بہت سے لوگوں کو اس سے آگاہ ہونا چاہیے تھا۔

روایت کو ان بنیادی اصولوں پر پرکھنے کے بعد متنِ روایت کا جائزہ لیا جائے گا کہ اس میں کوئی ایسا سقم تو نہیں جس کی تعبیر و توجیہ نہ ہوسکتی ہو، راوی نے الفاظِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کو اسی طرح برقرار رکھا ہے یا اس میں کوئی تبدیلی کی ہے، راوی نے الفاظِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی طرف سے کسی لفظ یا الفاظ کا اضافہ تو نہیں کیا، اگر کیا ہے تو اس کی صراحت کی ہے یا نہیں۔

معیاراتِ جرح وتعدیل

درایتِ متن کے بعد راوی کی سیرت وکردار کا معیاراتِ جرح وتعدیل کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے اور تسلسلِ سند پر غور کیا جاتا ہے۔

کسی حدیث کو قابل اعتبار سمجھنے کے لیے اس کے اسناد (حدیث کو روایت کرنے والے افراد کے ناموں کے سلسلہ) کی ناقدانہ تحقیق ضروری ہے۔ یہ معلوم کیا جائے کہ راویوں (حدیث روایت کرنے والے) کے حالات زندگی کیسے تھے، وہ کس زمانہ اور مقام سے تعلق رکھتے تھے، ان کا ایک دوسرے سے کیا تعلق تھا، متن حدیث کی روایت میں ان کا حافظہ، صداقت و دیانت اور صحت کیسی تھی۔ محدثین اور علمائے جرح وتعدیل نے احادیث کے سلسلہ ہائے اسناد میں موجود رجال پر بہت کام کیا ہے۔ آج مسلمانوں کے

۳۸۔ فتح الملہم ۱/۱۶

پاس ''اسماء الرجال'' کے نام سے ایک ایسا علم ہے جس میں بے شمار لوگوں کے حالات محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور نشاندہی کر دی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو روایت کرنے میں کون ثقہ ہے اور کون نہیں۔

اصول روایت میں جرح و تعدیل کے معیارات کو سمجھنا ناگزیر ہے کہ محدثین اور ائمہ اسماء الرجال نے راویوں کی جانچ پڑتال کے کیا طریقے اور کیا معیارات رکھے ہیں۔ ان معیارات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قبول روایت میں ائمہ اسماء الرجال کس قدر کڑے معیار کے قائل ہیں۔

جرح و تعدیل کا مفہوم: جرح کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ ابن منظورؒ لکھتے ہیں ''اثرفیه السلاح ''(۳۹) کسی ہتھیار سے متاثر کرنا (زخمی کرنا)۔ جراح زخم کو کہا جاتا ہے اور جراحات اس کی جمع ہے۔ عربی زبان میں لفظ جرح کے استعمال کے متعلق علامہ ابن منظورؒ کلامِ عرب کا ایک مقولہ نقل کرتے ہیں:

''ویقال جرح الحاکم المشاهد اذا عثر منه علی ماتسقط به عدالته من کذب وغیره ''(۴۰)

کہا جاتا ہے کہ حاکم نے گواہ پر جرح کی یعنی جب حاکم کو شاہد کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہو تاکہ اس جرح سے اس کی جھوٹ وغیرہ سے برأت ثابت ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ کلام عرب میں تحقیق و تفتیش اور کسی شخص کے احوال کے متعلق دریافت اور جو گواہی یا خبر وہ دے رہا ہے اس کے متعلق معلومات کا حصول جرح کہلاتا ہے۔

تعدیل کا لفظ عدل سے مشتق ہے اور جور (ظلم) کی ضد ہے۔ عدل کا معنی کسی شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا اور تعدیل سے مراد کسی کو عدل قرار دینا ہے (۴۱)۔

اصطلاحی طور پر کسی روایت کے راوی کو عادل اور قوی قوتِ حافظہ کا مالک قرار دینا تعدیل اور کسی راوی کی قوت حافظہ یا اس کے کردار پر کسی ایسے ماہر فن کا طعن و اعتراض جو تعصب سے بالاتر رہتا ہو' جرح کہلاتا ہے (۴۲)۔ راویوں کے حالات و کوائف پر لکھی جانے والی کتب جن میں راویوں کی تعدیل اور ان پر جرح کی جاتی ہے' کتب جرح و تعدیل کہلاتی ہیں۔

نواب صدیق حسن خانؒ علم جرح و تعدیل کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ یہ وہ علم ہے جس میں راویوں کی جرح اور ان کی تعدیل پر مخصوص الفاظ (اصطلاحات) کے ساتھ بحث کی جائے اور الفاظ کے اس فرق کی بنیاد پر مراتب قائم کیے جائیں (۴۳)۔ یعنی جرح

۳۹۔ لسان العرب ۵۸۶/۱ بذیل مادہ جرح
۴۰۔ لسان العرب ۵۸۶/۱ بذیل مادہ جرح
۴۱۔ لسان العرب ۵۸۶/۱ بذیل مادہ جرح
۴۲۔ تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۴۹
۴۳۔ ابجد العلوم ۲۲۱/۲

تعدیل کی چند مخصوص اصطلاحات وضع کر لی جائیں اور ان متعین اصطلاحات کو فرق مراتب کے لیے استعمال کیا جائے۔

اس علم میں ائمہ جرح وتعدیل روایت کرنے والے شخص کے کردار اور اس کی سیرت وطبیعت کی تحقیق کرتے ہیں۔ جہاں روایت کرنے کے لیے شرائط وآداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہو وہاں شرائط اور کچھ آداب ہیں۔ کسی راوی پر جرح وتعدیل اسی شخص کی معتبر سمجھی جائے گی جو ان شرائط وآداب کا لحاظ رکھتا ہو۔

شرائط جرح وتعدیل

جارح (جرح کرنے والے) اور معدل (عادل قرار دینے والے) کے لیے کچھ شرائط ضروری ہیں۔ بقول مولانا عبدالحیٔ لکھنوئیؒ ''تمہارے لیے ضروری ہے کہ اہل جرح وتعدیل میں کسی کی جرح پر کسی راوی کو مجروح کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لو بلکہ تم پر لازم ہے کہ تم اس معاملہ کی تحقیق کرو اس لیے کہ جرح وتعدیل ایک نازک اور مشکل معاملہ ہے اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ کسی راوی پر ہر جرح کرنے والے کی جرح کو قبول کرلو'' (۴۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک جرح وتعدیل کرنے والا ضروری شرائط پوری نہ کرتا ہو اس وقت تک کسی راوی پر اس کی جرح قابل قبول نہیں۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں:

۱۔ **علم وتقویٰ:** پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ ذی علم، متقی، صاحب ورع اور اہل صدق میں سے ہو۔ کسی پر جرح وتعدیل کرنا ایک شرعی فیصلہ ہے اور اس کا حق دار صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو علم و دانش رکھتا ہو، زہد وتقویٰ کی صفت سے متصف اور صدق کا عادی ہو (۴۵)۔

۲۔ **اسباب جرح وتعدیل کا عالم:** جارح ومعدل کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ان اسباب وعوامل کا بخوبی علم رکھتا ہو جن کی بناء پر کسی راوی کو مجروح یا ثقہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ بقول علامہ ابن حجر عسقلانیؒ ''صرف اس شخص کا تزکیہ قبول کیا جائے گا جو اسباب تزکیہ کی معرفت رکھتا ہو تاکہ کوئی شخص ابتداء میں محض ظاہری احوال کو دیکھ کر بغیر امتحان وآزمائش کسی کو مزکی قرار نہ دے'' (۴۶)۔

۳۔ **تصرفاتِ کلام کا ماہر:** حدیث کے راوی پر جرح کرنے یا اسے عادل ثابت کرنے والے کے اندر یہ وصف بھی پایا جانا ضروری ہے کہ وہ کلام عرب کے تصرفات، اشتقاقات اور ابواب کی تبدیلی سے معانی کی تبدیلی کے علم پر پورا عبور رکھتا ہو۔ وہ کسی لفظ کو

۴۴۔ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ص ۱۸

۴۵۔ منہج النقد ص ۹۳

۴۶۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۲۳۷

اس کے حقیقی معنی میں بھی استعمال کرتا ہو اور کسی ایسے لفظ سے جرح نہ کرتا ہو جو لفظ کسی عیب کو صراحتاً بیان کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو(۴۷)۔

۴۔تعصب سے پاک ہو: جارح یا معدل ہر قسم کی خاندانی، قبائلی یا علاقائی عصبیت سے پاک ہو اور جرح وتعدیل میں کسی قسم کے تعصب سے متاثر نہ ہوتا ہو(۴۸)۔

۵۔ متشدد نہ ہو: ایسے جارح کی جرح بھی قابل اعتبار نہ ہوگی جو جرح کرنے میں تشدد کا مظاہرہ کرتا ہو اور کسی ادنیٰ وجہِ جرح کی بناء پر بھی راوی کو مجروح قرار دیتا ہو(۴۹)۔

۶۔ مجروح نہ ہو: راوی پر جرح کرنے والا اگر ائمہ رجال کے نزدیک خود مجروح ہے تو اس کی جرح معتبر نہیں(۵۰)۔

آداب جرح وتعدیل

جارح و معدل کے لیے مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ جرح وتعدیل کے کچھ آداب وطرق بھی متعین کیے گئے ہیں۔شرائط کی تکمیل کے بعد ان آداب کا پورا کرنا بھی جرح وتعدیل کو معتبر بنانے کے لیے ضروری ہے۔

۱۔تفسیرِ جرح کا بیان

کسی راوی پر جرح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جارح وجہ جرح کی تفصیل کا ذکر بھی کرے۔مبہم جرح، ائمہ جرح وتعدیل کے ہاں قابل قبول نہیں کیونکہ اسباب جرح تعداد میں محدود و قلیل ہونے کے علاوہ ان میں سے کسی ایک سبب کے پائے جانے سے جرح ثابت ہو جاتی ہے اور ایک سبب کا بیان آسان امر ہے۔مزید یہ کہ اسباب جرح مختلف ہوتے ہیں، ایک سبب بعض ائمہ کے نزدیک جرح کی بنیاد بن سکتا ہے، وہی سبب دیگر ائمہ کے نزدیک وجہ جرح نہیں بن سکتا۔البتہ تعدیل کی تفصیلات بیان کرنا ضروری نہیں کیونکہ وجوہِ تعدیل کثیر ہیں اور راوی عادل میں ان سب کا پایا جانا ضروری ہے۔ان سب کا ہر راوی کی تعدیل کے ساتھ بیان طوالت و اطناب کا موجب ہوگا(۵۱)۔

۲۔اعتدال: جرح وتعدیل، اعتدال اور میانہ روی پر مشتمل ہو جس سے راوی کو اس کے جائز مقام ومرتبہ پر رکھا جائے، نہ کسی کو

۴۷۔ منہج النقد ص ۹۴

۴۸۔ منہج النقد ص ۱۰۰

۴۹۔ مقدمہ اعلاء السنن، قواعد فی علوم الحدیث ۱/۱۱۰

۵۰۔ مقدمہ اعلاء السنن ۱/۱۰۹۔ الرفع والتکمیل ص ۱۸

۵۱۔ اعلاء السنن ۱/۱۰۳

کے اصل مقام سے بلند کیا جائے اور نہ کسی کو اس کے مرتبہ سے گرایا جائے (۵۲)۔

۳۔ **بقدر ضرورت** : کسی راوی پر صرف اتنی جرح کی جائے جس قدر شرعی ضرورت و حاجت ہو، زائد از ضرورت یا بعد ضرورت کسی پر جرح جائز نہیں۔ اسی طرح صرف اس راوی پر جرح کی جائے جس پر جرح کی ضرورت ہو یعنی کوئی ایسا راوی ہو جو روایتِ حدیث کو کثرت سے نقل کرنے والا ہو اور اس میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہو یا اس کی روایات دیگر راویوں سے متصادم ہوں (۵۳)۔

اجتماع جرح وتعدیل

اگر کسی ایک راوی میں جرح وتعدیل دونوں جمع ہو جائیں تو کس کو ترجیح حاصل ہو گی؟ اس سلسلہ میں حسب ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ اگر جرح وتعدیل دونوں مبہم ہوں تو تعدیل کو ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ جرح کا مفسر ہونا شرط ہے۔

۲۔ اگر جرح مفسر اور تعدیل مبہم ہو تو جرح کو ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ وجہ جرح کی تفصیل جارح کے معدل پر علم میں فائق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ اگر جرح وتعدیل دونوں مفسر ہوں اور جارح متعصب و متشدد نہیں ہے تو جرح کو ترجیح حاصل ہو گی، بصورت دیگر تعدیل کو (۵۴)۔

جرح وتعدیل کے ان احکام وآداب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی راوی پر مبہم جرح قابل قبول نہیں ہوتی بلکہ اس کو مجروح قرار دینے کے بعد اس کی وجوہِ جرح کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ پھر یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ جرح مفسر بھی ہر جرح کرنے والے کی معتبر نہیں بلکہ جرح کرنے والا اپنے اندر کچھ اوصاف کو پیدا کرنے والا، کچھ شرائط کو پورا کرنے والا، علمِ حدیث میں خصوصی مہارت و دسترس رکھنے والا اور رجالِ حدیث کا ادراک رکھنے والا ہو۔ مزید یہ کہ وہ الفاظ جرح وتعدیل اور ان کے استعمالات سے بھی بخوبی واقف ہو اور کسی راوی پر جرح یا تعدیل کا کوئی لفظ ثابت کرنے سے قبل جانتا ہو کہ یہ لفظ جن خصوصی معانی یا اوصاف کے حامل شخص کے لیے مستعمل ہے، وہ صفات اس راوی کے اندر موجود ہیں یا نہیں۔ ان شرائط، احکام اور آداب کے بعد وہ رجالِ حدیث کے اسماء، القاب، قبائل اور کنیتوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور ناموں کی مشابہت اور کنیتوں کے ایک جیسا ہونے کی بناء پر کبھی غلطی،

۵۲۔ منہج النقد ص ۹۵

۵۳۔ حوالہ بالا

۵۴۔ منہج النقد ص ۹۵

غفلت یا سہو میں مبتلا نہ ہو۔ اس کی جرح یا تعدیل کسی وطنی، قبائلی، خاندانی، مسلکی یا نظریاتی وابستگی یا عدم وابستگی کی بنا پر نہ ہو بلکہ اس قسم کے تمام تعصبات سے پاک ہو۔ ایسے جارحین یا معدلین کی جرح یا تعدیل معتبر نہیں ہوتی جن کا طریق کار یہ رہا ہو کہ اپنے مسلک، نظریہ اور رائے کی حمایت میں روایت کرنے والے تمام راوی عادل وصدوق اور مخالفت میں روایت کرنے والے تمام راوی غیر ثقہ وکذاب قرار دیے جاتے ہوں خواہ ان کے مجروح کردہ راوی کو ائمہ رجال کی ایک بڑی جماعت نے ثقہ اور ان کی عدل ثابت کردہ راوی کی جماعت کو ائمہ جرح وتعدیل نے مجروح ثابت کیا ہو۔

جرح وتعدیل کے ان آداب کے بعد ائمہ رجال سے جرح وتعدیل نقل کرنے کے لیے بھی فکری، مسلکی، نظریاتی، قبائلی اور خاندانی عصبیت سے پاک ہونا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ اپنے نظریہ کی حمایت میں نقل کرنے والے تمام راویوں کی عدالت میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے نقل کر دیا جائے اور ان پر جو جرح کی گئی ہو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اپنے مسلک ونظریہ کی مخالفت میں روایات کرنے والے راوی کی جرح میں ائمہ رجال سے جو کچھ منقول ہے اسے من وعن نقل کر دیا جائے اور تعدیل کے تمام اقوال یکسر نظر انداز کر دیے جائیں۔ یہ علمی تقاضوں اور دیانت کے خلاف ہے۔

جرح وتعدیل اور نقل جرح وتعدیل کے ان آداب، احکام اور ان کی شرائط کی بحث کے بعد جرح وتعدیل کے مراتب کو واضح کیا جائے گا۔ اصولِ حدیث کی کتب میں ان مراتب کی بہت سی تفصیلات ملتی ہیں جن کو یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے، تاہم یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس باب میں بیشتر محدثین کرام کی اپنی اپنی اصطلاحات ہیں جو ان کی کتابوں کی ممارست سے واضح ہو جاتی ہیں۔

جرح وتعدیل کے ان معیارات کا مطلب یہ ہے کہ روایت کی صحت وثقاہت اور اس کی استنادی حیثیت کو پرکھنے کے لیے ائمہ اسماء الرجال نے راویوں کے لیے جو اوصاف یا جو اصطلاحات استعمال کی ہیں ان سے راوی کا کیا مقام متعین ہوتا ہے اور اس کی نقل کردہ روایت کس حد تک قابل اعتماد ہے۔

سنت کی استنادی حیثیت کے معیارات

سنت کی استنادی حیثیت کو پرکھنے کے تین معیارات ہیں: یا ہم یہ سنت کے حدیث کے اقسام کو بیان

۱۔ راوی کے اوصاف وکمالات کے لحاظ سے (تفاوتِ اوصاف کے تین معیارات ہیں۔

۲۔ نقل کرنے والے راویوں کی تعداد کے لحاظ سے۔ (تعدد اسانید)

۳۔ سلسلہ سند میں تسلسل کے برقرار رہنے یا نہ رہنے کے لحاظ سے۔ غایۃ الاسانید یا اسناد)

مذکورہ بالا معیارات سے سنت کی جو اقسام سامنے آئی ہیں ان پر اختصار کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

راویوں کے اوصاف کے لحاظ سے خبر کی اقسام (تفاوتِ اوصاف)

سنّت کو نقل کرنے والے راویوں کے اوصاف و کمالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے سنّت کی استنادی حیثیت کو درجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ صحیح لِذَاتِهٖ	۲۔ حَسن لِذَاتِهٖ
۳۔ صحیح لِغَیْرِهٖ	۴۔ حَسن لِغَیْرِهٖ

۱۔ صحیح لِذَاتِهٖ: صحیح لذاتہ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ''ایسی روایت جو نقل عدل، مکمل حافظہ، سند کے اتصال کے ساتھ اور علّت و شذوذ سے پاک ہو کر نقل ہو'' (۵۵)۔

ڈاکٹر محمود طحان لکھتے ہیں ''روایت نقل کرنے والا ہر راوی مسلمان، بالغ اور عاقل ہو، فاسق اور معاشرہ کی اعلیٰ روایات کو پامال کرنے والا نہ ہو'' (۵۶)۔

علامہ ابن اثیرؒ نے یہ اوصاف راوی میں ضروری قرار دیے ہیں: اسلام، بلوغ، قوت حافظہ اور عدالت۔

ان تعریفوں پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ صحیح لذاتہ میں راوی کے اوصاف کا زیادہ اعتبار ہے۔

صحیح لذاتہ روایت کا حکم بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر طحان تحریر کرتے ہیں ''ائمہ حدیث کے اجماع کے مطابق اس پر عمل واجب ہے۔ اصولیین اور فقہاء کے مطابق خبرِ صحیح شریعت کے دلائل و مصادر میں سے ایک مصدر ہے، کسی مسلمان کے لیے اس کو ترک کرنے کی گنجائش نہیں'' (۵۷)۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر طحان کے مطابق مشائخ حدیث، علماء اصول فقہ اور ماہرین فقہ اس پر متفق ہیں کہ خبرِ صحیح مصدرِ شرعی ہے، اس کا ماننا واجب اور ضروری ہے اور اس کو نہ ماننے یا چھوڑ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ امت مسلمہ میں حدیث کی چھ معروف کتب، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ احادیثِ صحیحہ کے مجموعات ہیں۔

۲۔ حَسن لِذَاتِهٖ: حَسن لذاتہ کی تعریف کرتے ہوئے امام ترمذیؒ لکھتے ہیں ''ہر وہ حدیث جس کی سند میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جس پر جھوٹ کا الزام ہو، حدیث شاذ نہ ہو اور ایک سے زائد سندوں سے منقول ہو۔''

علامہ ابن حجرؒ حسن لذاتہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں ''وہ خبر جو نقل عدل، مکمل حافظہ، سند کے پورے تسلسل کے ساتھ اور علّت و شذوذ سے پاک ہو کر نقل ہو، صحیح لذاتہ ہے اور اگر قوت حافظہ میں کوئی کمی آ جائے تو وہ حسن لذاتہ ہے'' (۵۸)۔

۵۵۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۱

۵۶۔ تیسیر مصطلح الحدیث ص ۵۱

۵۷۔ تیسیر مصطلح الحدیث ص ۳۵

۵۸۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۷۰۔۷۱

علامہ ابن حجرؒ کی تعریف کے مطابق قوت حافظہ جو راوی کا وصف ہے، میں معمولی نقص کی وجہ سے خبر صحیح لذاتہ سے ایک درجہ کم ہو کر حسن لذاتہ کے مرتبہ پر آ جاتی ہے۔

شرعی مصدر اور فقہی استدلال کے اعتبار سے حسن لذاتہ کا حکم یا اس کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں ''مصدر قانون کے سلسلہ میں خبر حسن، خبر صحیح کی طرح ہے اگرچہ قوت سند کے اعتبار سے اس سے کم درجہ کی ہے، اس کو صحیح میں شمار کیا گیا ہے'' (۵۹)۔ یعنی مصدر قانون اور فقہی استدلال کے طور پر حسن لذاتہ صحیح لذاتہ سے کم درجہ نہیں ہے۔ صرف راوی کی قوت حافظہ میں کسی قدر کمی کی وجہ سے حسن لذاتہ کی استنادی حیثیت صحیح سے کم درجہ کی ہے۔ بطور مصدر جس طرح صحیح لذاتہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح حسن لذاتہ کے انکار کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ **صحیح لِغَیْرِہٖ**: صحیح لغیرہ کی تعریف علامہ ابن حجرؒ نے ان الفاظ میں کی ہے ''روایت میں صفات قبول یا اعلیٰ درجہ میں پائی جاتی ہوں گی یا نہیں۔ پہلی صورت میں یہ صحیح لذاتہ کہلائے گی اور دوسری صورت میں بھی یہ روایت خبر صحیح ہوگی لیکن صحیح لذاتہ نہ ہوگی'' (۶۰)۔

معلوم ہوا کہ روایت اگر قبولیت کی تمام شرائط مکمل طور پر پوری کر رہی ہے تو وہ صحیح لذاتہ ہے اگر یہ کمزوری دوسری سندوں کی مدد سے دور کر دی جاتی ہے تو وہ صحیح لغیرہ ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحیح لغیرہ کا مرتبہ حسن لذاتہ سے اعلیٰ ہے۔

حسن لذاتہ کا حکم اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور صحیح لغیرہ کا مرتبہ اس سے اعلیٰ ہے، تو جب حسن لذاتہ کے انکار کی گنجائش نہیں اور وہ باعتبار مصدر قانون صحیح لذاتہ کی طرح ہے تو قوت استدلال اور باعتبار مصدر قانون یہ بھی صحیح لذاتہ کی طرح ہے۔

۴۔ **حسن لِغَیْرِہٖ**: علامہ سیوطیؒ حسن لغیرہ کی تعریف میں لکھتے ہیں ''حسن لغیرہ اس روایت کو کہتے ہیں جو چند ایسی ضعیف سندوں سے مروی ہو جن کے مجموعہ کو حسن کہا جا سکتا ہو اور سند میں ضعف امانت دار اور سچے راوی کی قوت حافظہ میں کمزوری کی وجہ سے ہو'' (۶۱)۔

یعنی حسن لغیرہ ایسی خبر کو کہا جائے گا جو چند ایسی سندوں سے منقول ہو جن میں سے کوئی الگ سند تنہا صحیح یا حسن کے مرتبہ پر نہ پہنچتی ہو اور ان تمام سندوں کا مجموعہ بھی حسن لغیرہ کے مرتبہ تک نہ پہنچتا ہو۔ لیکن سند میں کمزوری راوی کی قوت حافظہ یا ذہانت میں کمزوری کے باعث ہو جبکہ راوی کی صداقت و دیانت شک و شبہ سے بالاتر ہو۔

حسن لغیرہ کا حکم یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث عقائد، صفات باری تعالیٰ، شرعی و فقہی احکام اور حلال و حرام میں تو

۵۹۔ تدریب الراوی ۱/۱۶۰

۶۰۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۲

۶۱۔ تدریب الراوی ص۱۷۶

مصدر قانون کے طور پر استعمال نہیں کی جا سکتی البتہ فضائل، کسی کام کے لیے ترغیب اور کسی کام سے روکنے کے لیے اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

راویوں کے اوصاف کے لحاظ سے مذکورہ بالا چاروں اقسام پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ راوی کی دیانت و امانت اور اس کی صداقت نقلِ خبر میں اہم ترین چیز ہے اور اس کے بعد اس کی ذہانت اور قوت حافظہ کا مرتبہ۔ قوت حافظہ میں ضعف کی صورت میں تو خبر صحیح لغیرہ یا حسن لذاتہ اور لغیرہ کے درجہ میں قابل قبول ہے لیکن راوی کی دیانت وصداقت میں اگر کوئی نقص پایا جائے اور اس کی ذات پر دیانت داری کے اصول وضوابط پامال کرنے کا الزام ثابت ہوتا ہے تب اس کی روایت قابل قبول نہیں۔ اسی طرح معیاراتِ تعدیل میں بھی غور کریں تو معلوم ہوگا چوتھے اور پانچویں درجہ پر بھی جس راوی کو رکھا جا رہا ہے اس کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ امانت دار ہے، سچ اس کی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ یعنی امانت و دیانت میں ادنیٰ درجہ کا نقص اور جھوٹ کا احتمال بھی راوی کو ان راویوں کی فہرست میں لے جاتا ہے جن کی روایت قابل قبول نہیں۔

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے خبر کی اقسام

راویوں کے اوصاف کے علاوہ خبر نقل کرنے والے راوی ہر طبقہ میں کتنی تعداد میں موجود رہے، اس لحاظ سے بھی خبر کو کچھ قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ متواتر ۲۔ مشہور

۳۔ عزیز ۴۔ غریب

راویوں کی تعداد کی حسب ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ ہر طبقہ (طبقہ صحابہؓ، تابعین، بعد کے محدثین) میں نقل کرنے والا ایک ہی آدمی ہو۔

۲۔ ہر طبقہ میں نقل کرنے والے دو افراد ہوں۔

۳۔ ہر طبقہ میں نقل کرنے والے کم از کم تین افراد ہوں۔

۴۔ ہر طبقہ میں کم از کم چار افراد ہوں اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی قید نہیں، لیکن اتنے افراد ہوں کہ عقل اس بات کو تسلیم نہ کرے کہ اتنے افراد کسی غلط، جھوٹی یا خلاف واقعہ بات کو نقل کر رہے ہوں گے۔

پہلی صورت میں یہ خبر غریب اور خبر واحد، دوسری میں عزیز، تیسری میں مشہور اور چوتھی شکل میں خبرِ متواتر کہلائے گی۔ تواتر کی شرائط بیان کرتے ہوئے ملاّ علی قاریؒ لکھتے ہیں ''تواتر کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کے نقل کرنے والے کسی عددی قید سے بالاتر ہوں اور اس قدر زیادہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً اور عادۃً ممکن نہ ہو'' (۶۲)۔ پھر اگر تواتر سے الفاظ بھی وہی منقول

۶۲۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۱۹، ۲۰

ہوں تو وہ متواتر لفظی ہے اور اگر الفاظ مختلف ہوں مفہوم ایک ہی ہو تو وہ متواتر معنوی ہے۔

خبر متواتر کا حکم بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں ''اس بارہ میں محدثین میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ متواتر چاہے لفظی ہو یا معنوی، دونوں حتمی اور یقینی علم کا فائدہ دیتے ہیں'' (۶۳)۔ ڈاکٹر طحان اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتے ہیں ''یہ خبر ایسا یقین جازم پیدا کر دیتی ہے جیسے انسان نے وہ واقعہ بذاتِ خود دیکھا ہو کہ جسے تسلیم کرنے پر عقلِ انسانی مجبور ہوتی ہے'' (۶۴)۔ خبر متواتر ایسا یقین پیدا کرتی ہے کہ جیسے انسان کو اپنے ذاتی مشاہدہ پر یقین حاصل ہوتا ہے۔

خبر مشہور کا حکم بیان کرتے ہوئے علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں ''اس خبر سے نہ صرف غلبہ ظن بلکہ فی الجملہ یقین پیدا ہو جائے گا، گو ضابطہ قضاء میں وہ یقین نہ کہلائے گا لیکن دیانتاً اسے یقین کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی جائے گی'' (۶۵)۔

خبر متواتر مکمل یقین، خبر مشہور یقین اور خبر عزیز و غریب گمان (ظن) پیدا کرتی ہیں، لیکن اگر خبر عزیز و غریب نقل کرنے والے راوی صحیح لذاتہ، لغیرہ یا حسن لذاتہ کی شرائط پوری کر رہے ہوں تو یہ خبر بھی یقین کا درجہ پیدا کر سکتی ہیں۔

سند کے تسلسل کے اعتبار سے خبر کی اقسام

غایۃ الاسناد

راوی سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پائے جانے والے واسطے سند کا تسلسل کہلاتے ہیں۔ سند میں یہ تسلسل مکمل طور پر موجود ہوتا ہے یا درمیان میں کہیں انقطاع پایا جاتا ہے۔ اگر سند مکمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک موجود ہو تو وہ روایت مرفوع متصل کہلاتی ہے اور اگر انقطاع ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ انقطاع سند کے کس حصہ میں ہے:

۱۔ اگر سند کی ابتداء میں ایک یا دو راوی نہ ذکر کیے ہوں گے تو یہ منقطع کہلاتی ہے۔ مثلاً امام بخاریؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمل نقل کیا اور اس میں اپنے سے حضرت ابوموسیٰؓ تک سند ذکر نہیں کی۔

۲۔ اگر سند میں صحابی راوی کا نام موجود نہ ہو البتہ تابعی تک تمام راویوں کے نام مذکور ہوں تو ایسی خبر مرسل کہلاتی ہے۔

۳۔ اگر سند میں کسی راوی کے عیب کو چھپانے کے لیے کسی راوی کا نام حذف کیا جائے تو وہ روایت مدلس کہلاتی ہے (۶۶)۔

روایت حدیث میں خبر اسی صورت میں معتبر مانی جاتی ہے جب از اوّل تا آخر پوری سند ذکر کی جائے۔ اگر اس کا تسلسل درمیان سے کہیں سے بھی ٹوٹے تو ایسی روایت قابل اعتبار نہیں۔ البتہ کوئی صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بات یا ایسا عمل نقل کرے جو اس نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ کسی

۶۳۔ علوم الحدیث و مصطلحہ ص ۳۰

۶۴۔ تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۹

۶۵۔ فتح الملہم

۶۶۔ تیسیر مصطلح الحدیث ص ۷۸

دوسرے صحابی سے سنا اور نقلِ روایت کے وقت ان صحابی نے دوسرے صحابی کا نام نہیں لیا بلکہ براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قول یا عمل نقل کیا' اس سے حدیث کے مرتبہ اور اس کے مصدر قانون ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ یا حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایسے وقت کی کسی روایت کو نقل کریں جب وہ بہت چھوٹے تھے یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا حضرت ابو ہریرہؓ ایسی روایت نقل کریں جو ان کے اسلام سے پہلے کی ہو۔ یہ روایات لازماً ان صحابہؓ نے کسی دوسرے صحابی سے سنی ہوں گی لیکن ائمہ محدثین اس مرسل کو بھی متصل مرفوع کے حکم میں داخل کرتے ہیں کہ کسی صحابی سے یہ ادنیٰ بھی توقع نہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط یا خلاف واقعہ بات منسوب کرے گا (۶۷)۔

الغرض جسم وروح سے مرکب اس انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ شروع کیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کمال ومعراج کو پہنچا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم جیسی کتاب عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ زندگی کو قرآن عظیم کا عملی پیکر اور نمونہ قرار دیا۔ قرآن کریم کی ہر آیت' ہر لفظ بلکہ ہر حرف کا عکس آئینہ نبوی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ :

كان خلقه القرآن

آپ کی عادت قرآن کا عمل تھی

اسی بات کو مولانا قاری محمد طیبؒ یوں بیان کرتے ہیں:

''اس قرآن حکیم کے مختلف مضامین اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن میں ذات وصفات کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد ہیں اور احکام کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال' تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال ہیں اور تشریع کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال' قصص وامثال کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبرت ہیں اور تذکیر کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موعظت' خدمت خلق کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت ہیں اور کبریاء حق کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت' اخلاق کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ معیشت ہیں اور معاملات کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت' توجہ الی اللہ کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت ہیں اور تربیتِ خلق اللہ کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوت' قہر وغلبہ کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال ہیں اور مہر ورحمت کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال' تجلیاتِ حق کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہیں اور ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مراقبہ' ترکِ دنیا کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہدہ ہیں اور احوال محشر کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا محاسبہ' نفس غیر کی

۶۷۔ تیسیر مصطلح الحدیث ۶۶ تا ۶۸

آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کی بقائیت اور اثباتِ حق کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کی بقائیت' انا اور انت کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہود ہیں اور ھو کی آ یتیں آ پ کی غیبت' نعیمِ جنت کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق ہیں اور جحیمِ نار کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہم وغم' رحمت کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کی رجاء ہیں اور عذاب کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف' انعام کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکون وانس ہیں اور انتقام کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن' حدود وجہاد کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض فی اللہ اور امن وترحم کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا حب فی اللہ' نزولِ وحی کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج ہیں اور تعلیم وتبلیغ کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول' تنفیذ اور امر کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ہیں اور خطاب کی آ یتیں آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت وغیرہ وغیرہ۔ غرض کسی بھی نوع کی آ یت ہو وہ آ پ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقامِ نبوت کی تعبیر ہے'' (۶۸)۔

آ پ کی ساری زندگی خواہ اس میں جلوت ہو یا خلوت' معیشت ہو یا معاشرت' عبادت یا معاملہ' خواب ہوں یا جاگتی حقیقت ہر چیز قرآ ن کریم کی ہدایت کا عملی نمونہ ہے اور ہمارے لیے علم یقین' مصدر قطعی' اسوۂ حسنہ اور نمونہ کاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء محدثین اور ائمہ اسماء الرجال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال' تقریرات وعادات کی حفاظت جس حزم واحتیاط سے کی' روایت ودرایت کے اصول وضع کیے' معیارات جرح وتعدیل پر راویوں کو پرکھا' سلسلہ سند کے تسلسل کو جانچا اور راویانِ حدیث کے اقوال وآ ثار کی جس طرح چھان بین کی' اس کی مثال پیش کرنا دیگر اقوام کے علوم وقوانین میں ممکن نہیں۔

یہ بات پورے وثوق' مکمل بھروسہ اور کامل اطمینان سے کہی جا سکتی ہے کہ احکام کے سلسلہ میں سنّت کی دلالت بالکل قطعی اور یقینی ہے۔ اس کو ظنی الدلالت قرار دینا نہ صرف اس مصدر قانون کو کمزور قرار دینے کے مترادف ہے بلکہ اس سے اولین مصدر قانون قرآ ن کریم کی معنویت پر بھی نعوذ باللہ حرف آ تا ہے۔

اہم نکات

۱۔ سنّت قرآ ن مجید کے بعد دوسرا بڑا مصدر احکام ہے جو قطعی اور حجت ہے۔

۲۔ سنّت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول' فعل اور تقریر ہے۔

۳۔ افعال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل شکلیں سنّت میں داخل ہیں:

ا۔ جو تقاضائے بشری کا نتیجہ ہوں' ان کی اتباع واجب نہیں' البتہ ان کے اہتمام پر اجر وثواب ہے۔

۶۸۔ خطبات حکیم الاسلام ۱/ ۲۴۷۔ ۲۴۸

۲۔ جو جبلّی اور فطری عادت ہوں' ان کی اتباع بہتر ہے۔

۳۔ وہ عادات جو اہتمام کے ساتھ سرانجام دی گئی ہوں اور جو طبیعت سے زیادہ شریعت کے قریب ہوں' ان پر عمل مندوب و مستحب ہے۔

۴۔ وہ عبادات جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہیں۔

۵۔ وہ امور جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز اور مخصوص ہیں۔

۶۔ کسی معاملہ میں کوئی عملی فیصلہ۔

۷۔ ایسا فعل جو کسی قرآنی حکم یا قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجمال کو دور کرے اور اس کا بیان ہو۔

۸۔ ایسا فعل جس کی علیحدہ اور مستقل حیثیت ہو۔

ان میں سے کچھ افعال سنّت عادیہ میں داخل ہیں اور کچھ کی حیثیت تشریعی ہے۔

۴۔ سنّت قرآن کے لیے مؤید اور بیان کا درجہ رکھتی ہے۔

۵۔ سنّت متواترہ سے حکم قرآن کی تخصیص ہو سکتی ہے۔

۶۔ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی مندرجہ ذیل شکلیں ممکن ہیں:

۱۔ قرآن کے عام حکم سے استثناء کرنا۔

۲۔ کسی قرآنی حکم کی مدت بیان کرنا۔

۳۔ کسی حکم نبوی کو منسوخ کرنا۔

۴۔ کسی غیر منصوص حکم کی وضاحت کرنا۔

۷۔ اصول روایت میں روایت کی سند پر تحقیق کی جاتی ہے۔

۸۔ اصول درایت میں متن روایت کو جانچا جاتا ہے۔

۹۔ راوی کو عادل اور قوت حافظہ کا مالک قرار دینا تعدیل کہلاتا ہے۔

۱۰۔ راوی کے کردار پر کسی غیر متعصب ماہر فن کا طعن و اعتراض جرح کہلاتا ہے۔

۱۱۔ جارح اور معدل میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

علم و تقویٰ' اسباب جرح و تعدیل کا علم ہونا' تصرفات کلام کا ماہر ہونا' تعصب سے پاک ہونا' غیر متشدد ہونا اور مجروح نہ ہونا۔

۱۲۔ آداب جرح و تعدیل یہ ہیں: تفسیر جرح کا بیان' اعتدال اور بقدر ضرورت۔

۱۳۔ سنّت کی استنادی حیثیت کو پرکھنے کے تین معیارات ہیں:

www.Youtube.com/ Truemessage

۱۔ راوی کے اوصاف و کمالات کے لحاظ سے۔

۲۔ نقل کرنے والے راویوں کی تعداد کے لحاظ سے۔

۳۔ سلسلہ سند میں تسلسل کے برقرار رہنے یا نہ رہنے کے لحاظ سے۔

۱۴۔ راویوں کے اوصاف کے لحاظ سے خبر کی چار اقسام ہیں:

۱۔ صحیح لذاتہ ۲۔ صحیح لغیرہ

۳۔ حسن لذاتہ ۴۔ حسن لغیرہ

پہلی تینوں روایتوں پر عمل واجب ہے اور وہ بطور مصدر قانون تسلیم شدہ ہیں، جب کہ چوتھی قسم کو صرف فضائل اور ترغیب و ترہیب کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۱۵۔ راویوں کی تعداد کے لحاظ سے خبر کی چار اقسام ہیں:

۱۔ متواتر ۲۔ مشہور

۳۔ عزیز ۴۔ غریب

خبر متواتر مکمل یقین، خبر مشہور یقین اور خبر عزیز اور غریب ایک گمان (ظن) پیدا کرتی ہیں۔

۱۶۔ سند کے اتصال کے اعتبار سے خبر کی چار اقسام ہیں:

۱۔ مرفوع متصل ۲۔ منقطع

۳۔ مرسل ۴۔ مدلس

مرفوع متصل کو معتبر تسلیم کیا گیا ہے البتہ مرسل خبر اگر صحابی کی ہو تو وہ بھی مرفوع متصل کے حکم میں داخل ہوگی۔

کتب برائے مزید مطالعہ

۱۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریعی مقام از مصطفیٰ السباعی، مترجم غلام احمد حریری، ملک سنز، فیصل آباد۔

۲۔ سنّت کی آئینی حیثیت از سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور۔

۳۔ سنّت کا تشریعی مقام، قرآن عظیم کی روشنی میں از محمد ادریس میرٹھی، مکتبہ اسلامیہ، کراچی۔

۴۔ علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت از ڈاکٹر محمد سعد صدیقی، شعبہ تحقیق، قائد اعظم لائبریری، لاہور۔

۵۔ حجیت حدیث، اردو ترجمہ عبدالسلام ندوی، عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد۔

مصادر و مراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ صحیح بخاری

۳۔ صحیح مسلم

۴۔ سنن ابوداؤد

۵۔ سنن ابن ماجہ

۶۔ سنن نسائی

۷۔ موطا امام مالک

۸۔ ابن منظور 'لسان العرب' دار المعارف بیروت۔

۹۔ آمدی' سیف الدین علی بن علی' الاحکام فی اصول الاحکام' دار الکتب العلمیہ' بیروت۔

۱۰۔ عبیداللہ مسعود' التوضیح مع التلویح' نور محمد کراچی ۱۴۰۰ھ۔

۱۱۔ محمد خضری بک' اصول الفقہ' مکتبہ التجاریہ الکبریٰ' مصر۔

۱۲۔ عتر' نور الدین' منہج النقد فی علوم الحدیث' دار الفکر' بیروت ۱۹۸۱ء

۱۳۔ خطیب' محمد عجاج' السنة قبل التدوین' دار الفکر' بیروت ۱۹۸۱ء

۱۴۔ محمد عمیم الاحسان البرکتی' التعریف الفقیہ (القواعد الفقہیہ)' صدف پبلی کیشنز' کراچی ۱۹۸۶ء

۱۵۔ شوکانی' محمد بن علی بن محمد' ارشاد الفحول' دار الفکر ۱۹۹۲ء

۱۶۔ طحان' محمود الدکتور' تیسیر مصطلح الحدیث' دار القرآن الکریم ۱۹۷۹ء

۱۷۔ ملاعلی قاری' علی بن سلطان' شرح نخبة الفکر' کوئٹہ ۱۳۹۷ھ

۱۸۔ علی حسب اللہ' اصول التشریع السلامی۔

۱۹۔ مختار' السنة فی ضوء القرآن الکریم۔

۲۰۔ ابویعلی' محمد حسین الفراء' العدة فی اصول الفقہ' الریاض ۱۹۹۰ء

۲۱۔ عبدالعزیز بخاری' کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی۔

۲۔ ابن عابدین' حاشیة ابن عابدین۔

۲۳۔ شاہ ولی اللہ' احمد بن عبدالرحیم' حجة اللہ البالغة' دار الکتب الحدیثہ۔

۲۴۔ عثمانی، شبیر احمد علامہ، فتح الملھم۔

۲۵۔ صدیق قنوجی، نواب، ابجد العلوم، المکتبہ القدوسیہ لاہور۔

۲۶۔ عبدالحئی لکھنوی، الرفع و التکمیل فی الجرح والتعدیل، مطبع نوائے محمد، لکھنؤ ۱۳۰۱ھ

۲۷۔ عسقلانی، ابن حجر احمد بن علی، شرح نخبۃ الفکر۔

۲۸۔ ظفر احمد عثمانی، مولانا، مقدمۃ اعلاء السنن، قواعد فی علوم الحدیث، ادارۃ القرآن، کراچی۔

۲۹۔ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۷۹ء

۳۰۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دائرہ معارف، حیدر آباد (دکن)۔

۳۱۔ صبحی صالح، الدکتور، علوم الحدیث و مصطلحہ، دمشق ۱۹۵۹ء

۳۲۔ عبدالغنی عبدالخالق، الدکتور، حجیۃ السنۃ، اردو ترجمہ از محمد رضی الاسلام ندوی، عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد۔

۳۳۔ محمد طیب قاسمی، قاری، خطبات حکیم الاسلام، کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

اختصاصی مطالعہ: اصول فقہ کورس

۱۔	علم اصول فقہ: ایک تعارف (حصہ اول)
۲۔	علم اصول فقہ: ایک تعارف (حصہ دوم)
۳۔	قرآن
۴۔	سنت
۵۔	سنت کی حجیت کا جائزہ
۶۔	اجماع
۷۔	قیاس
۸۔	شرائع سابقہ: اقوالِ صحابہؓ: استصلاح
۹۔	استحسان۔استصحاب۔استدلال
۱۰۔	عُرف اور سدّ ذرائع
۱۱۔	حکمِ شرعی۔۱ (حکمِ تکلیفی)
۱۲۔	حکمِ شرعی۔۲ (حکمِ وضعی)
۱۳۔	خاص
۱۴۔	عام۔مشترک۔حقیقت ومجاز۔صریح وکنایہ
۱۵۔	دلالات
۱۶۔	اسلام کا نظریۂ اجتہاد
۱۷۔	مناہج واسالیبِ اجتہاد
۱۸۔	تقنین (اسلامی احکام کی ضابطہ بندی)
۱۹۔	پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل
۲۰۔	فقہ حنفی وفقہ مالکی
۲۱۔	فقہ شافعی وفقہ حنبلی
۲۲۔	فقہ جعفری وفقہ ظاہری
۲۳۔	قواعد کلیہ (حصہ اول)
۲۴۔	قواعد کلیہ (حصہ دوم)

ابتدائی کورس

۱۔	اسلامی قانون کے مآخذ، مآخذ اول۔قرآن
۲۔	اسلامی قانون کے مآخذ، مآخذ دوم۔سنت
۳۔	اسلامی قانون کے مآخذ، مآخذ سوم۔اجماع
۴۔	اسلامی قانون کے مآخذ، مآخذ چہارم۔قیاس
۵۔	اجتہاد کی تعریف
۶۔	اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار
۷۔	دینی مسائل میں اختلافات، اسباب اور ان کا حل
۸۔	اسلام کا قانون نکاح وطلاق
۹۔	اسلام کا قانون وراثت ووصیت
۱۰۔	اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ
۱۱۔	اسلام کا تصور ملکیت ومال
۱۲۔	اسلام کا تصور معاہدہ
۱۳۔	اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور
۱۴۔	مزارعت اور مساقات
۱۵۔	اسلام کا نظام محاصل
۱۶۔	اسلام کا نظام مصارف
۱۷۔	اسلام میں عدل وقضاء کا تصور
۱۸۔	اسلام کا نظام احتساب
۱۹۔	اسلامی نظام عدل میں شہادت کا تصور
۲۰۔	اسلام کا تصور جرم وسزا
۲۱۔	اسلام کا فوجداری قانون
۲۲۔	اسلام کا دستوری قانون
۲۳۔	اسلام کا قانون بین الممالک
۲۴۔	اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد